بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الۡأَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحۡبِهِ أَجۡمَعِيۡن،

أَمَّا بَعۡدُ:

073: مطلقاً قرآن مجید کے تعلق سے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکایتاً یا عبارتاً کلام ہے

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ؛ اور ہم پچھلے درس میں بات کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے تعلق سے اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَلا يَجوزُ إطْلاقُ القَوْلِ بِأنَّهُ حِكايَةٌ عَنْ كلامِ اللهِ أو عِبارَةٌ"(یہ جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کے تعلق سے یہ کہنا مطلقاً کہ قرآن مجید جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے حکایتاً، یا عبارتاً)۔

کیا معنی ہے ان جملوں کو ابھی بتاتا ہوں لیکن یہ بات ہو رہی ہے کہ اہل بدعت کا یہ مؤقف ہے: "کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اگر مان لیتے ہیں تو حقیقی کلام نہیں ہے، مجازی کلام ہے حقیقتاً نہیں"؛ اور پھر اس مجاز کو کسی نے کہا حکایت ہے، کسی نے کہا عبارت ہے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں اس کی مختصر تفصیل۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول ""وَلا يَجوزُ إطْلاقُ القَوْلِ" : ولم يقل: لا يجوز القول!":

یعنی شیخ الاسلام نے یہ فرمایا ہے: یہ جائز نہیں ہے کہ قول کو مطلقاً کہا جائے بلکہ یہ نہیں فرمایا "لا يجوز القول!": یہ کہنا ہی جائز نہیں ہے۔ یعنی یہ جائز نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ یہ قرآن مجید جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عبارت ہے اطلاقاً؛ اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے "على سبيل الإطلاق"۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے یہ کلابیہ ہیں؛ یہ فرقہ جو ہے ابن کلاب کی طرف منسوب ہوا ہے اور پھر ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ اس فرقے میں شامل تھے، یعنی معتزلہ کو چھوڑ کر کلابیہ فرقے میں شامل ہوئے پھر ان سے کچھ اختلاف کر کے ابن کلاب سے پھر اپنا فرقہ اشعری گروہ بنالیا۔

تو کلابیہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید ''حكاية عن كلام الله'' ہے (اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے)۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ''عبارة عن كلام الله'': یہ اُشعری ہیں؛ اُشعری کہتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام کی عبارت ہے تعبیر ہے۔

ہم کہتے ہیں نا کہ اس قول کی تعبیر کیا ہے تفسیر کیا ہے، اور پھر معنی بیان کرتے ہیں لفظ کچھ اور ہوتے ہیں۔ یہی ہوتا ہے نا؟

آپ کو ایک جملہ دیا جاتا ہے کہ آپ اس کی تعبیر کیجیے کیا ہے؟ آپ پھر اس جملے کے الفاظوں کے مختلف دوسرے الفاظ لے کر اُس کو آسان جملوں میں بیان کر دیتے ہیں، اسے تعبیر کہتے ہیں۔

حکایتاً جو ہے وہ وہی چیز ہوتی ہے لیکن حقیقت کی طرف سے نہیں، جیسے آواز کی ایکو (Echo) ہوتی ہے، ایکو کیا ہوتی ہے؟ اب ایک آواز جو آپ پہاڑوں کی وادی میں جا کر زور سے بولتے ہیں یا چیختے ہیں تو آپ کی آواز دوباری آپ کو سنائی دیتی ہے۔

تو حکایتاً یعنی اُس کلام کی مثل ہے؛ وہ خود نہیں ہے اُس کی مثل ہے یہ حکایت ہے۔

عبارت: قول تو ہے لیکن اُس کی تفسیر ہے اصل قول نہیں ہے۔

اب دیکھیں شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ''والكل اتفقوا على أن هذا القرآن الذي في المصحف ليس كلام الله'': (اُشعری ہوں یا کلابی ہوں ان سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید جو کتاب میں ہے (مصحف، کتاب میں ہے) یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے)۔ تو پھر کیا ہے؟! ''بل هو إما حكاية أو عبارة'' (یا تو حکایت ہے یا عبارت ہے)۔

وہی بات ہے کہ قرآن مجید اس وقت جو کتابی شکل میں موجود ہے یہ قرآن مجید جو ہے اُشاعرہ کا اور کلابیہ کا اتفاق ہے (یعنی اجماع ہے سب کا) یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ تو پھر کیا ہے اُن کے نزدیک؟ یا تو حکایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی مثل ہے (ہے کسی اور کا کلام ہے اُس کی مثل)، یا عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی (یعنی اللہ تعالیٰ نے کلام تو فرمایا ہے لیکن اُس کی تفسیر ہے یہ) تعبیر ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی ''عبارة عن كلام الله''۔

ان دونوں میں فرق کیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ''والفرق بينهما: أن الحكاية المماثلة'' (کہ حکایت جو ہے مماثلت ہے)؛ یعنی یہ جو کلام ہے اُن کے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ آپ نے اس کلام کو آئینے کے سامنے رکھ دیا ہے۔

تو جو آئینے میں لکھا ہوا ہے وہ کیا وہی چیز ہے جو حقیقتاً لکھی گئی ہے یا آئینے میں کچھ اور نظر آ رہا ہے؟ جو آئینے میں ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حکایت ہے حقیقت کی۔

جب آپ آئینے کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں آپ خود اپنے آپ کو دیکھتے ہیں وہ کیا ہے؟ ہیں تو آپ لیکن کیا حقیقتاً آپ ہیں یا آپ کے مثل جو ہے آپ کی مماثلت جو ہے وہ اس آئینے میں (شیشے میں) سامنے آگئی ہے؟ مماثلت ہے (آپ اسے رِفلیکشن (Reflection) سمجھ لیں یا کچھ بھی آپ الفاظ میں کہہ دیں یہ آپ کی مماثلت ہے)۔

یا جس طریقے سے میں نے مثال دی ہے ایکو (Echo) جو ہوتی ہے آواز کی جب آپ زور سے بولتے ہیں یا چیختے ہیں وادیوں میں تو آپ کی آواز گونج کر واپس آتی ہے جو گونج ہوتی ہے یہ کس کی آواز ہے؟ آواز تو آپ کی ہے لیکن کیا جو پہلے آواز آپ نے نکالی تھی ایک مرتبہ، یعنی آپ نے کہا "اللہ اکبر" زور سے، یہ پھر اللہ اکبر دوبارہ آپ کو سنائی دیا یہ گونج ہے (ایکو (Echo) جسے کہتے ہیں) تو آپ نے ایک مرتبہ کہا دوسری مرتبہ کہاں سے آیا؟ اب یہ آپ کی آواز کی مثل ہے مماثلت ہے، اسے کہتے ہیں حکایت (آئی سمجھ؟ یہ حکایت ہے)۔

عبارت کا کیا معنی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ جو کلام کرنے والا ہے وہ جو بات کرنا چاہتا ہے یا جس کی بات کرنا چاہتا ہے وہ آواز اور حرف سے بات کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا جو کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ جب سیدنا جبریل اُمین علیہ الصلاۃ والسلام کے منہ سے نکلا، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے، قرآن مجید ہے تو اصل یہ وہ لفظ نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

یہ الفاظ کس کے ہیں؟ یہ حروف کس کے ہیں؟ یہ معنی کس کے ہیں؟ یا تو سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں؛ اسے کہتے ہیں تعبیر ہے (اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر ہے یہ)۔

جو مخلوق ہے؟ ظاہر ہے جو تعبیر ہو رہی ہے جو الفاظ مخلوق کے ذریعے سے نکلتے ہیں تو وہ مخلوق ہی ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): تو یہ جائز نہیں ہے کہ ہم یہ مطلقاً کہیں کہ قرآن مجید حکایت ہے یا عبارت ہے، لیکن جب تفصیل کی ہم بات کرتے ہیں تو: "قد يجوز أن نقول: إن القارئ الآن يعبر عن كلام الله أو يحكي كلام الله؛ لأن لفظه بالقرآن ليس هو كلام الله": اب ذرا غور سے سنیں مطلقاً اور تفصیل میں کیا فرق ہے:

(۱) مطلق تو جائز نہیں ہے کہ "القرآن عبارة عن كلام الله" یا "القرآن حكاية عن كلام الله" مطلب یہ کہ حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے! انکار ہے کہ نہیں اللہ کی صفت کا؟! انکار ہے۔

(۲)اب جب تفصیل سے ہم بات کرتے ہیں تو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): جیسا کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جو قاری ہے جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہے یہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر کر رہا ہے یا اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کی مماثلت کر رہا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ جو لفظ وہ اس وقت ادا کر رہا ہے وہ اس کا اپنی زبان سے نکلنے والا جو مخلوق کا لفظ ہے وہ ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام جو صفت ہے وہ نہیں ہے جو حقیقتاً ہے (آئی سمجھ؟)۔

جس وقت میں کہتا ہوں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾﴾(الفاتحہ: 1-3)

سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیات؛ یہ جو الفاظ میں نے کہے ہیں یہ میری زبان سے نکلے ہیں، آواز بھی ہے حروف بھی ہیں مخلوق ہے کہ نہیں؟ اس اعتبار سے اسے کیا کہتے ہیں؟ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام سورۃ الفاتحہ کی تعبیر کی ہے یا اُس کی حکایت (وہی الفاظ جو ہیں) اس میں سے الفاظ میں نے اپنی زبان سے نکالے ہیں۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں اس وقت وہی الفاظ ہیں کہ نہیں؟ میں نے ان الفاظوں کو قرآن مجید میں جو کتابی شکل میں ہیں نقل کر کے وہاں سے دیکھ کر (نقل یعنی دیکھنا) اپنی زبان سے ادا کیے ہیں جو لکھا ہوا ہے قرآن مجید میں (کتاب میں) یہ کیا ہے؟ اللہ کا کلام ہے۔

جو میری زبان سے نکلا ہے یہ بھی اللہ ہی کا کلام ہے کسی اور کا کلام نہیں ہے، لیکن جو الفاظ میری زبان سے نکلے ہیں میں نے حقیقتاً کیا کیا ہے؟ کہ اُس کتاب میں جو لکھا ہے اس کی تعبیر اپنی زبان سے کی ہے (تعبیر بھی کہہ سکتے ہیں)۔

الفاظ وہی ہیں "التعبير ما هو المكتوب"؛ جو لکھا ہوا ہے اس کی تعبیر کہیں اُس کو حکایت کہیں؛ الفاظ جو بھی آپ کہیں، جب الفاظ وہی ہیں چینج (Change) نہیں ہیں (Copy کہہ دیں آپ حکایتاً Copy کو بھی کہتے ہیں) تو اس کو میں نے کاپی (Copy) کیا ہے، اگر میں تفسیر کرتا ہوں پھر تب تعبیر بھی ہو گی اور پھر وہ لفظ بھی ہو گا۔

بات سمجھ آئی ہے؟

وہ کہتے ہیں: کہ جو لفظ لکھا ہے تفسیر کے بغیر وہ تعبیر ہے۔

ہم کہتے ہیں: کہ جو لفظ ہم بیان کر رہے ہیں اگر وہی الفاظ ہیں تو پھر یہ اللہ کا کلام ہے جو ہماری زبان سے ادا ہوا ہے، اُسے آپ تعبیر کہنا چاہیں کچھ بھی کہنا چاہیں ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا؛ لیکن یہ کہنا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے "حقیقتاً" جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، جیسے شیخ صاحب نے فرمایا ہے کہ کہتے ہیں "کہ جو کتاب میں لکھا ہے اللہ کا کلام نہیں ہے یہ "حكاية عن كلام الله" (یعنی جو الفاظ لکھے ہیں قرآن مجید میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے)۔

فرق کیا ہے؟ جو میری زبان سے نکل رہا ہے وہ اللہ کا کلام بھی ہے اور میری زبان سے ادا ہوئے الفاظ بھی ہیں، آپ اُسے کاپی (Copy) کہیں آپ اُسے حکایت کہیں، آپ اُسے عبارت کہیں جب وہی الفاظ ہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن فرق تب پڑتا ہے ہم کہتے ہیں کہ جو لکھا ہوا بھی ہے قرآن مجید کتابوں میں یہ بھی عبارت ہے یا یہ بھی حکایت ہے حقیقتاً نہیں ہے، تب ہم کہتے ہیں کہ اطلاق القول جائز نہیں ہے۔

لیکن اس تفصیل سے جب آپ کہتے ہیں کہ میری زبان سے جو الفاظ نکلے ہیں، جو آپ کی زبان سے نکل رہے ہیں ادا ہو رہے ہیں الفاظ یا

آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "حكاية عن كلام الله" یا "عبارة عن كلام الله" ہے، تو اس اعتبار سے کہنا جائز ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: "وهذا القول على هذا التقييد لا بأس به": یہ قول اس قید کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ کہنا مطلقاً کہ "القرآن عبارة أو حكاية عن كلام الله لا يجوز" یہ جائز نہیں ہے۔

اور مصنف رحمہ اللہ (یعنی شیخ الاسلام رحمہ اللہ) اپنی عبارت میں بہت ہی زیادہ محتاط اور دقیق تھے اس لیے فرمایا ہے: "لا يجوز إطلاق القول: مطلقاً کہنا جائز نہیں ہے لیکن تقیید اور تعیین لازمی ہے اس معاملے میں۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "بَلْ إذا قَرَأهُ النَّاسُ أوْ كَتَبوهُ فِي المَصاحِفِ" (بلکہ جب لوگ پڑھتے ہیں قرآن مجید کو یا لکھتے ہیں مصاحف (یعنی کتابی شکل) میں) "لَمْ يَخْرُجْ بِذلِكَ عَنْ أنْ يَكُونَ كَلامَ اللهِ تَعالى حَقِيقَةً" (یہ اس سے خارج نہیں ہے کہ جو لکھا ہوا ہے جو لوگ پڑھ رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے حقیقتاً (یعنی اس سے خارج نہیں ہے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہی ہے جو لکھا جا رہا ہے اور جو لوگ پڑھ رہے ہیں تلاوت کر رہے ہیں)) "فإنَّ الكلامَ إنَّما يُضافُ حَقِيقَةً إلى مَنْ قالَهُ مُبْتَدِئًا لا إلى مَنْ قالَهُ مُبَلِّغًا مُؤَدِّيًا" (یقیناً کلام جو ہے اس کی نسبت حقیقتاً اسی کی طرف ہوتی ہے ابتداءً جو کلام کرتا ہے، نا کہ اُس کی طرف جو اس کو ادا یا اس کا بلاغ کرتا ہے)۔

جب کوئی شخص بات کر رہا ہوتا ہے دوسرا اُس کو سُن رہا ہوتا ہے تو جو بات ہو رہی ہے وہ جملے جو ہیں کس کی طرف منسوب ہیں؟ ابتداءً جو بات کر رہا ہے؛ تو اگر سننے والا اسے آگے نقل کرے تو پھر وہ مبلغ ہوتا ہے مؤدّی ہوتا ہے نا کہ حقیقتاً وہ کلام کرنے والا ہے

۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): جتنے بھی لوگ لکھیں قرآن مجید کو کتابوں میں یا اسے یاد کریں اپنے سینوں میں ، یا اپنی زبانوں سے اس کی تلاوت کریں، یہ تمام چیزیں جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہی ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے خارج نہیں ہیں۔

پھر اس کی تعلیل بیان کی ہے: کہ کلام جو ہے اس کا اضافہ یا نسبت حقیقتاً اسی کی طرف ہوتی ہے جو شروع میں یا ابتدائی طور پر کلام کرتا ہے۔

اور یہ تعلیل واضح ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کیونکہ کلام جو ہے حقیقتاً اسی کی طرف نسبت کی جاتی ہے اس کی جس نے شروع میں اسے ادا کیا ہے، اور اس کی اضافت تبلیغ کرنے والے کی طرف جو ہوتی ہے "فعلی سبیل التوسع" ہے حقیقتاً نہیں ہے۔

اب مثال کے طور پر جب ہم یہ پڑھتے ہیں "حُكْمُ المَحَبَّةِ ثابِتُ الأَرْكانِ ، مَا لِلصُّدودِ بِفَسْخِ ذاكَ يَدانِ": شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ شعر کا بیت جو ہے یہ حقیقتاً منسوب ہے ابن القیم کی طرف (رحمہ اللہ)۔

دوسری مثال: اگر آپ یہ کہتے ہیں: "كَلامُنا لَفْظٌ مُفِيدٌ كاسْتَقِمْ ، وَاسْمٌ وَفِعْلٌ ثُمَّ حَرْفٌ الكَلِمْ": اور یہ حقیقتاً منسوب ہے ابن مالک کی طرف۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ کلام جو ہے حقیقتاً اُس کی اضافت یا نسبت جو ہے سب سے پہلے کہنے والے کی طرف ہوتی ہے۔

یعنی جب میں نے یہ دونوں شعر پڑھے ہیں آپ نے مجھ سے سنا ہے کیا یہ میرے الفاظ ہیں؟ یہ میرا شعر ہے یا ابن القیم اور ابن مالک کے اشعار ہیں؟ آپ نے تو مجھ سے سنا ہے میں مبلغ ہوں۔

آپ کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ شعر پڑھا ہے، تو صحیح ہے یا غلط ہے؟ صحیح ہے کیونکہ میری زبان سے آپ نے سنا ہے۔

لیکن کیا میرے اپنے شعر ہیں یہ؟ میرے اپنے شعر نہیں ہیں۔

تو آپ نے میری طرف منسوب کیوں کیا ہے؟ دیکھیں آپ کو پتہ ہے کہ یہ میرے الفاظ نہیں ہیں مطلب یہ میرا اپنا شعر نہیں ہے، میں نے صرف اسے پہنچایا ہے آگے۔

تو نسبت دو اعتبار سے ہوتی ہے: (۱) ایک اعتبار ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے بات کی ہے جیسا کہ یہاں پر ابن القیم اور ابن مالک رحمہم اللہ نے جن کے اصل یہ شعر ہیں۔ (۲) دوسری نسبت ہوتی ہے کہ جس سے آپ سنتے ہیں جو اداء یا تبلیغ کر رہا ہوتا ہے، یا پہنچا رہا ہوتا ہے یہ جملے۔

اب جب ہم بات کرتے ہیں کہ یہ قول کس کا ہے؟ یہ بیت کس کا ہے؟ آپ کبھی نہیں کہیں گے کہ ڈاکٹر صاحب کا ہے۔ یہ شعر کس کا ہے؟ کبھی نہیں کہیں گے کہ میرا ہے۔

کس کا شعر کہیں گے؟ پہلا شعر ابن القیم کا ہے، دوسرا شعر جو ہے وہ ابن مالک ہے (سبحان اللہ)۔

تو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے تعلق سے یہ بات کیوں نہیں فٹ (Fit) ہوتی واضح بات ہے نا؟!

ان سے بھی پوچھیں اُشاعرہ سے، یہ جو ماتریدیہ ہیں، یا معتزلہ ہیں (اِن سب سے پوچھ لیں) کہ کیا جب آپ کوئی شعر پڑھتے ہیں یا کوئی جملہ پڑھتے ہیں کسی کا، یا کوئی کتاب پڑھتے ہیں، آپ کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ جو کتاب پڑھ رہا ہے یہ اُسی کی طرف منسوب ہے جو پڑھ رہا ہے، نا کہ جس نے لکھی ہے اُس کی طرف منسوب ہے۔ ایسا ہوتا ہے نا؟

تو پھر قرآن مجید کے تعلق سے یہ بات کیوں نہیں کہتے ہیں؟! یعنی تعلیل بھی دیکھیں کتنی واضح ہے (سبحان اللہ)۔

اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): تو قرآن مجید بھی جو اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے اُس کی نسبت اُسی کی طرف ہے جس نے سب سے پہلے کلام کیا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ، نا کہ اُس کی طرف نسبت ہوتی ہے جس نے اسے پہنچایا ہے اور تبلیغ کی ہے، چاہے سیدنا جبریل اُمین علیہ الصلاۃ والسلام ہوں یا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وَهُوَ كَلَامُ اللهِ؛ حُروفُهُ وَمَعانِيهِ'' (قرآن مجید اللہ کا کلام ہے حروف اور معنی، دونوں): یہ مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا، کہتے ہیں یا اُن کا عقیدہ یہ ہے: ''إن الله تعالىٰ تكلم بالقرآن بحروفه ومعانيه'' (کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے قرآن مجید سے حروف اور معنی)۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وَلَيْسَ كَلَامُ اللهِ الحُروفَ دُونَ المَعاني'' (قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے کہ صرف حروف ہوں بغیر معنی کے (یعنی معنی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حرف بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ دونوں حرف اور معنی اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں)۔

اور یہ مذہب ہے معتزلہ اور جہمیہ کا جو کہتے ہیں یا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کلام ہے وہ معنی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہوتا ہے بلکہ الگ سے ایک چیز ہے مخلوقات میں سے جیسا کہ آسمان ہے، زمین ہے، اونٹنی ہے، گھر ہے، اور اس جیسی چیزیں ہیں! کوئی الگ سے معنی قائم بذاتہ نہیں ہے، "قائمًا في نفسه" الگ سے نہیں ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا جو کلام ہے جو قرآن مجید ہے وہ حروف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو نام دے دیا "اللہ کا کلام"، جیسا کہ اونٹنی کو پیدا کیا اور فرمایا کہ اللہ کی اونٹنی، کعبہ کو پیدا کیا حکم دیا سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کہ کعبہ کی تعمیر ہو، کعبہ وجود میں آیا تو اس کا نام رکھ دیا "بيت الله" (اس طریقے سے) تو اس لیے قرآن بھی اللہ کا کلام ہے اس اعتبار سے (یعنی جو حرف ہیں مخلوق ہیں اور معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)۔

اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ جہمی اور معتزلہ کے نزدیک اللہ کا کلام حروف ہیں کیونکہ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کلام ہے وہ عبارت ہے تعبیر ہے اللہ کے کلام کی جو حروف اور آواز سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور اپنی طرف نسبت کی ہے تشریف اور تعظیم کے لیے ("كلام الله" قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن حروف جو ہیں اور الفاظ جو ہیں یہ سب مخلوق ہیں)۔

تو کلام اللہ کیوں کہتے ہیں جب مخلوق ہیں؟! اس لیے کہتے ہیں جیسا کہ بیت اللہ اور ناقۃ اللہ؛ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے لیکن دونوں مخلوق ہیں، تو اس اعتبار سے یہ بھی مخلوق ہیں!

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَلَا المَعاني دُونَ الحُروفِ" (اور نہ ہی قرآن مجید صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے معنی ہے حروف کے بغیر)؛ یہ مذہب ہے کلابیہ اور اُشاعرہ کا (اُشعری اور کلابی کے نزدیک) وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید جو ہے وہ ایک معنی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے آواز اور حروف پیدا کیے ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتے ہیں، یا عبارت ہیں یا حکایت ہیں (سبحان اللہ)۔

آپ یہ دیکھیں کہ معتزلہ کیا کہتے ہیں؟ کہ قرآن مجید جو ہے وہ حروف ہیں معنی نہیں ہے؛ حروف اللہ نے پیدا کیے ہیں بغیر معنی کے "الحُروفَ دُونَ المَعاني" معنی کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ یہ ہو قرآن مجید میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾: تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان حروف کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾: یہ پیدا ہوئے ہیں، معنی کی ضرورت نہیں ہے! حروف ہیں "دُونَ المَعاني"۔

اچھا اُشاعرہ اور کلابیہ کیا کہتے ہیں؟ معنی ہیں حروف نہیں ہیں، حروف مخلوق ہیں؛ معنی ہے اللہ تعالیٰ کا اللہ تعالیٰ نے ایک معنی چاہا ہے کہ اس معنی کی تعبیر کرنی ہے کوئی بھی کر لے، تو معنی کا الہام کیا ہے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کو اور پھر سیدنا جبریل اُمین نے اپنی جو زبان ہے ان الفاظ کو پڑھا ہے جو معنی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾: اب اللہ تعالیٰ نے صرف معنی چاہا ہے کہ معنی ایسے الفاظ ہوں جن میں اس معنی کی تعبیر ہو جائے، تو جبریل اُمین نے جب یہ تلاوت کیا ہے الفاظ جو ہیں (حروف اور آواز جو ہیں) اب یہ مخلوق ہو گئی ہے (معنی مخلوق نہیں ہیں الفاظ، حروف مخلوق ہیں)۔

معتزلہ کہتے ہیں: حروف بھی مخلوق ہیں، بلکہ معنی کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو معنی کی یا بات ہے؟! ان کو معنی کی کیوں مصیبت پڑ گئی ہے اُشاعرہ کو اور کلابیہ کو، ماتریدیہ کو؟

اِن کے نزدیک کیونکہ یہ کہتے ہیں: "کہ حروف اگر ہم مان لیتے ہیں تو حروف تو مخلوق ہیں، الفاظ آواز زبان کی ضرورت ہے گلے کی ضرورت ہے، ہونٹوں کی ضرورت ہے ان سب چیزوں کی ضرورت مخلوق بھی ہوتی ہے تو کیسے مان لیں ہم کہ اللہ تعالیٰ کی زبان بھی ہونی چاہیے لازمی ہے؟! پھر یہ جو ووکل کورڈ (Vocal Cord) ہے حلق ہے یہ چیزیں سب ہونی چاہیے یہ تو مخلوق میں ہوتی ہیں! تو اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں (حروف اور الفاظ جو ہیں) اس لیے جو معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور الفاظ جو ہیں وہ مخلوق ہیں (حروف اور الفاظ یہ مخلوق ہیں)"۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ یہ مذہب ہے کلابیہ اور اُشاعرہ کا، اِن کے نزدیک یا ان کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام جو ہے وہ "معنى في نفسه": اللہ نے کوئی معنی چاہا ہے اپنے نفس میں اور پھر اللہ نے پیدا کیا ہے آواز اور حروف جو اللہ تعالیٰ کے اس معنی پر دلالت کرتے ہیں یا تو عبارت ہے یا حکایت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی (جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

اور پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جب کوئی یہ کہتا ہے یا اگر ہم یہ انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں) تو یقیناً ہم نے ان دو چیزوں کو باطل کر دیا شریعت کو بھی اور قدر (تقدیر) کو بھی؛ (وہ کیسے؟) شریعت اس لیے باطل ہو گئی کیونکہ تمام جو بھی رسالات ہیں جو بھی پیغامات ہیں وہ وحی کے ذریعے نازل ہوئے ہیں وحی کے ذریعے آئے ہیں اور وحی جو ہے یہ وہ چیز ہے جو پیغمبروں کو پہنچی ہے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کی نفی کر دیں انکار کر دیں تو پھر وحی کا انکار ہو جاتا ہے اور اگر وحی کا انکار ہو جائے تو پھر شریعت کا انکار ہو جاتا ہے۔

شریعت کے اساس کیا ہے وحی ہے نا؟! "قال الله وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم "؛جب اللہ تعالیٰ کلام کرتے نہیں ہیں اور اس کا انکار کر دیا آپ نے تو پھر شریعت وحی کہاں سے آئی واضح ہے نا؟!

قدر کا کس طریقے سے انکار ہوتا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، کائنات کو پیدا کیا ہے کن فیکون سے، جب اللہ تعالیٰ کن فیکون کہہ ہی نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہی نہیں ہے اور ہم کلام کا انکار ہی کر دیں، پھر کن فیکون کہاں سے آیا؟! دیکھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَآ أَمۡرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيۡـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ٨٢﴾ (یس:82)۔

تو جب کن فیکون اللہ تعالیٰ کہہ ہی نہیں سکتا تو پھر کائنات کہاں سے آئی؟! تو شریعت کو بھی باطل کر دیا، اور تخلیق اور کائنات اور تقدیر مکمل ہر چیز کو آپ نے باطل کر دیا!

تو یہ عقلی دلیل بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرنے سے سوائے بدعت اور گمراہی کے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے کلام کی نفی کرتے ہیں انکار کرتے ہیں تو نہ پھر شریعت باقی رہتی ہے اور نہ ہی پھر یہ کائنات پوری باقی رہ سکتی ہے کیونکہ کائنات کی تخلیق کن فیکون سے ہوئی ہے اور "کن فیکون" کلام ہے اور کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

اچھا مطلب کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کو اس معنی کا الہام کیا ہے اور کسی اور مخلوق نے کن فیکون کہا ہے مخلوق نے پیدا کی ہے کائنات پھر؟!

دیکھیں جب اللہ تعالیٰ کلام نہیں کر سکتا، کہتے ہیں کہ "صفۃ الکلام" یہ کلام مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کلام سے پاک ہے کلام نہیں کر سکتا ،تو کائنات کہاں سے آئی؟! کہتے ہیں کن فیکون سے۔ کن فیکون کس نے کہا ہے وہ تو کہہ نہیں سکتا؟! وہ تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو کہہ ہی نہیں سکتا نا!

اس کا مطلب پھر یہ ہوا کہ کوئی اور مخلوق ہے یا کوئی اور ذات ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس نے کن فیکون کہا ہے! یہ بات لازم آتی ہے کہ نہیں؟!

یعنی آپ کے سامنے دو راستے ہیں: (۱) یا تو یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی کن فیکون فرمایا ہے (کن فیکون کہا ہے) اور اس کن فیکون سے پوری کائنات وجود میں آئی ہے۔ (۲) اور آپ کہتے ہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کلام نہیں کر سکتا تو پھر کن فیکون کس نے کہا ہے؟! اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ذات ہے تو پھر شرک ہے! کیا خیال ہے؟!

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ذات بھی موجود ہے جس نے پیدا کیا ہے اور وہ کلام کر سکتی ہے، جو کلام کر سکتی ہے وہ مخلوق ہے تو مخلوق نے مخلوق کو پیدا کیا ہے پھر!

تو اُن کا یہ قول جو ہے بالکل باطل ہے عقلاً و شرعاً، اور ہر اعتبار سے۔

پھر اگلا فصل شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فصل في الإيمان برؤية المؤمنين ربهم يوم القيامة ومواضع الرؤية'': ایک فصل ہے باب باندھا ہے، یا اس عقیدے کے اندر ایک باب ہے عقیدۃ واسطیۃ میں کہ اس بات پر ایمان کہ مومن جو ہیں اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن، اور کہاں کہاں پر دیدار ہو گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فَصْلٌ: وَقَدْ دَخَلَ أَيْضًا فِيمَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الإِيمَانِ بِهِ وَبِكُتُبِهِ وَبِمَلَائِكَتِهِ وَبِرُسُلِهِ: الإِيمَانُ بِأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''(اور اس ایمان میں داخل یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان میں یہ بات بھی داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان میں سے یہ بھی داخل ہے کہ مومن جو ہیں بے شک اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن)۔

آپ سوچ رہے ہوں گے یہ پہلے بھی گزر چکی ہیں یہ باتیں یہ رپیٹ (Repeat) کیوں ہو رہی ہیں؟!

اس کی دو وجوہات ہیں؛ (۱) ایک تو تھوڑی سی ایکسٹرا انفارمیشن (Extra information) کے ساتھ ہے (مزید معلومات) جیسے "حكاية أو عبارة عن كلام الله" جیسے گزر چکا ہے، پہلے نہیں تھا۔ (۲) دوسری بات یہ ہے یہ حسن تصنیف میں سے ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے آپ اسے ایک مرتبہ نہیں اس کا تکرار کر کے بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ دل و دماغ میں بات بیٹھ جائے۔

قرآن مجید کو دیکھ لیں آپ، آپ مختلف قصے دیکھتے ہیں مختلف پیغامات دیکھتے ہیں آپ وہ رپیٹ (Repeat) ہوتے ہیں ان کی تکرار ہوتی ہے کیا وجہ ہے؟ تاکہ آپ اپنے دل میں اس بات کو بسا لیں کہ اس بات کی اہمیت بھی ہے اور آپ کی یاد دہانی بھی ہوتی رہتی ہے، پھر آپ اسے یاد بھی کرتے ہیں عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے اس کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے (سبحان اللہ)۔

یہاں پر دیکھیں "اللہ تعالیٰ کا دیدار" پہلے بھی ہم بات کر چکے ہیں لیکن یہاں پر یہ فرمایا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان، کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور رسولوں پر ایمان میں شامل ہے؛ اللہ تعالیٰ کے کلام کے تعلق سے بات ہوئی وہ، اور خصوصی طور پر یہ جو ہم بات اب ہم کر رہے ہیں کہ "مومن اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن"۔

"الايمانُ بِأنّ المُؤمِنِين يَرَوْنَهُ يَوْمَ القِيامَةِ": یہ تو بات ظاہر ہے واضح ہے کہ مومن اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن کیونکہ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان میں سے ہے۔

یعنی یہ جملہ جو ہے "کہ مومن اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن"، اس جملے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان بھی ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان بھی ثابت ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان بھی ثابت ہوتا ہے (یہ چار چیزیں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کیسے ثابت ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے تو ہم نے اس پر ایمان رکھا ہے، اُس کی تصدیق کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ثابت ہو گیا۔

کتابوں پر ایمان کیسے ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔

جب اس کی تصدیق کرتے ہیں تو کتابوں پر ایمان ہو گیا کہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (القیامۃ: 22-23) اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن مجید میں ہے نا یہ آیات؟ ہم نے اقرار کیا ہے کہ نہیں؟ اس پر ہمارا ایمان ہے کہ نہیں؟ تو اللہ کی کتاب پر ایمان ہے کہ نہیں؟ ایمان ثابت ہو گیا۔

اسی طریقے سے "فرشتوں پر ایمان": یہ جو دلائل ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے جو قرآن مجید میں موجود ہیں کس کے ذریعے سے یہ ہمیں ملے ہیں؟ وحی۔

وحی کا ذمے دار کون فرشتہ ہے؟ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام۔ فرشتوں میں سے ہیں کہ نہیں؟ فرشتوں میں سے ہیں۔ تو جب آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا قیامت کے دن گویا کہ آپ فرشتوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

اور "رسولوں پر ایمان": یہ بھی واضح بات ہے کہ رسولوں نے ہی یہ خبر دی ہے لوگوں کو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا قیامت کے دن؛ جو تصدیق کرتا ہے وہ ایمان رکھتا ہے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے، تو اس سے رسولوں پر ایمان بھی ثابت ہو گیا ہے۔

"عِيانًا بِأَبْصارِهِمْ": یعنی حقیقتاً اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

"بِأَبْصارِهِمْ كَمَا يَرَوْنَ الشَّمْسَ صَحْوًا لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جیسا کہ سورج کو دیکھتے ہیں بالکل صاف دیکھنے والے اور سورج کے بیچ میں جب کوئی بادل وغیرہ نہیں ہوتا۔

(اور آپ "صَحْوًا" یعنی بالکل صاف دیکھتے ہیں سورج کو)۔

اور ''الرؤية'' سے مراد یعنی آنکھوں کی رؤیت (آنکھوں کا دیکھنا جو ہے)۔

اور یہ جو تشبیہ ہو رہی ہے سورج کو دیکھنے کی یہ یعنی سورج کو جیسے آپ دیکھتے ہیں دن میں اور اللہ تعالیٰ کا دیدار مومن کریں گے قیامت کے دن تو یہ تشبیہ سورج کو اللہ تعالیٰ سے نہیں دی جا رہی بلکہ جو بینائی ہے جو دکھائی ہے جس چیز کو دیکھا جا رہا ہے اس کی تشبیہ کی جا رہی ہے کہ جیسا کہ دنیا میں ہم سورج کو دیکھتے ہیں بغیر کسی گرد و غبار کے یا بغیر کسی بادل کے بیچ میں تو بالکل صاف نظر آتا ہے، جیسے جب سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے اشراق کے وقت آپ دیکھتے ہیں بالکل صاف سورج نظر آتا ہے آپ کو، قیامت کے دن مومن بھی اپنے ربّ

کا دیدار کریں گے بیچ میں کوئی دقت کوئی پریشانی کوئی چیز حائل نہیں ہو گی بالکل صاف دیکھنا ہو گا۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ جملہ: ''وَكَمَا يَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لا يُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ'': اور جیسا کہ چاندنی رات میں یا چودھویں کی رات میں جو ہے لوگ چاند کو دیکھتے ہیں اور چاند کو دیکھنے میں ان کو کوئی دقت یا کوئی پریشانی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی قیامت کے دن ایسے ہو گا۔

اور یہاں پر بھی واضح بات ہے کہ یہ تشبیہ جو ہے وہ چاند کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں دی جا رہی کیونکہ اہل بدعت نے کیا کہا ہے؟" کہ یہاں تو آپ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دے رہے ہیں"۔ نہیں! حدیث میں کبھی نہیں ہے، ہرگز یہ معنی ہے ہی نہیں! یہ کفریہ معنی کیسے ہو سکتا ہے؟! اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے یہ فرما سکتے ہیں؟! معنی کیا ہے؟ جیسا کہ دنیا میں تم چاند کو دیکھتے ہو بالکل واضح۔ چودھویں کے چاند کی مثال کیوں دی ہے؟ کیونکہ بالکل واضح ہوتا ہے روشنی بالکل عیاں ہوتی ہے، سب کے لیے واضح ہوتی ہے، تو قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار مومن اسی طریقے سے کریں گے جیسا کہ دنیا میں لوگ چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں؛ رؤیت کی صرف، نا کہ "مرئی" جسے دیکھا جا رہا ہے۔

کہاں کہاں پر دیدار ہو گا اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''يَرَوْنَهُ سُبْحَانَهُ وَهُمْ فِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ'': یعنی قیامت کے دن عرصات القیامۃ میں؛ اور عرصات کہتے ہیں جمع ''عَرْصة'' ہے اور عرصہ وسیع جگہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی بھی بلڈنگ وغیرہ کوئی بھی چیز نہ ہو کیونکہ قیامت کے دن زمین بدل دی جائے گی اور بالکل میدان ہو گا زمین میں (تو عرصات ایک کھلی جگہ میدان کو کہتے ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مَدَّ الأديم'' (یا: مَدَّ الجلد): بالکل وسیع میدا ہو گا۔

اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے مومن اپنے ربّ کا دیدار کریں گے (یعنی میدان محشر میں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ المطففین آیت نمبر 15 میں اُن لوگوں کے تعلق سے جو قیامت کے دن کا انکار کریں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾﴾ (ہر گز نہیں، یقیناً یہ لوگ جو ہیں اپنے ربّ کے دیدار سے محجوب ہیں (روک دیئے جائیں گے))۔ تو اپنے ربّ کا دیدار نہیں کریں گے کون ہیں؟ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا انکار کرتے ہیں یوم الدین کا انکار کرتے ہیں، کہ قیامت کا جو انکار کرتے ہیں تو ایسے لوگ کافر ہیں اور کافر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے قیامت کے دن۔

﴿يَوْمَئِذٍ﴾: "يعني: يوم الدين"۔ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٦﴾﴾ (المطففین: 6): تو کب کی بات ہو رہی ہے؟ جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے ربّ العالمین کے لیے، یعنی حساب کے لیے قیامت کے دن۔

تو جب کافروں کو روک دیا جائے گا کافر نہیں دیکھیں تو پھر مومن دیکھیں گے کہ نہیں؟

تو اس آیت کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے مفہوم المخالف جسے کہتے ہیں؛ ایک منطوق ہے ایک مفہوم ہے:

(۱) منطوق کیا ہے؟ کہ کافر ربّ کا دیدار نہیں کریں گے۔

(۲) مفہوم کیا ہے؟ کہ مومن ربّ کا دیدار کریں گے۔ ورنہ پھر کافروں کو کیوں روکا گیا ہے؟! اگر کوئی دیدار کر ہی نہیں سکتا تو خصوصی طور پر کافروں کا ذکر کیوں ہے تو تمام کا ذکر ہوتا نا؟ جو بھی قیامت کے دن لوگ ہیں مومن ہیں، کافر ہیں، کوئی بھی ہیں سب کو روک دیا جاتا نا؟! جب کافروں کو روک دیا گیا ہے یہ اُن کے لیے عذاب ہے۔ اُن کے لیے وعید ہے کہ نہیں؟ وعید ہے اُن کے لیے؛ تو مومن اس وعید سے بچ گئے۔ یعنی مومن رب کا دیدار کریں گے کہ نہیں؟ دیدار کریں گے۔

"ويرونه كذلك بعد دخول الجنة": اور پھر دوبارہ دیدار ہو گا جب جنت میں داخل ہوں گے۔

قیامت کے دن لوگ دیدار کیسے کریں گے؟ یا کون دیدار کرے گا؟

لوگوں کی تین قسمیں ہیں قیامت کے دن اس اعتبار سے، اور ویسے بھی دیکھا جائے اگر یا تو:

(۱) خالص مومن ہیں ظاہراً و باطناً۔

(۲) یا خالص کافر ہیں ظاہراً و باطناً۔

(۳) یا ظاہر طور پر مومن ہیں اور باطن میں کافر ہیں، اور یہ منافق ہیں۔

تین قسم کے لوگ ہیں: مومن ہیں، کافر ہیں، منافق ہیں۔

(۱) مومن جو ہیں اپنے ربّ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن بھی اور جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی۔

(۲) جو کافر ہیں مطلقاً ربّ کا دیدار نہیں کریں گے نہ تو قیامت کے دن، اور جنت میں وہ داخل ہوں گے نہیں تو اس لیے وہ اس سے محروم ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربّ کا دیدار ہو گا اور دیکھیں گے: "لكن رؤية غضب وعقوبة": اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے طور پر؛ لیکن آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے، یعنی واضح الفاظ ہیں: ﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝١٥﴾: تو یہ نہیں فرمایا کہ غضب یا غصے کے اعتبار سے دیکھیں گے۔

(۳) جو منافق ہیں قیامت کے دن تو دیکھ پائیں گے اُس کے بعد پھر کیونکہ جنت میں داخل ہوں گے نہیں، نہیں دیکھیں گے اور یہ حسرت ہو گی، یعنی اس کے بعد کبھی دیکھ نہیں سکیں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثُمَّ يَرَوْنَهُ بَعْدَ دُخولِ الجَنَّةِ كَمَا يَشاءُ اللهُ تَعالىٰ": پھر یعنی (مومنوں کی اب بات ہو رہی ہے) قیامت کے دن حساب کے بعد مومن جو ہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جنت میں داخل ہونے کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے جب چاہے اپنا دیدار کرائے مومنوں کو جنت میں۔

اور تمام حالات میں یعنی کس کیفیت سے اللہ تعالیٰ دیدار کرانا چاہتا ہے اور کب کرانا چاہتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس رؤیت یا اس دیدار کی حقیقت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اس کی کیفیت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

یعنی حقیقتاً دیدار تو ہو گا اس کی کیفیت اس کا کیسے دیدار ہو گا، کیا ہو گا کیسے ہو گا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یعنی ہم کیفیت نہیں جانتے لیکن دیدار اور رؤیت کا معنی بالکل معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے مومن جو ہیں قیامت کے دن جیسا کہ چاند کو دیکھا جاتا ہے دنیا میں لیکن کیفیت ہم نہیں جانتے اور یہ کہتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ چاہے گا دیدار کرائے گا۔

اور اس کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

یہ چند اہم باتیں تھیں، اور آپ یہ دیکھیں کہ اس وقت صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان کے تعلق سے بات ہوئی ہے، یہاں تک جتنا بھی ہم نے پڑھا ہے عقیدہ واسطیۃ جو ہے آج بات کا اختتام ہوا "الایمان باللہ"۔

کتنے درس ہو گئے تقریباً کاؤنٹ کیے ہیں آپ نے ؟72، یہ آج کا یہ 73 ہے ؛ تہتّر (73) درس صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان کے تعلق سے۔

اگلا درس ہو گا ان شاءاللہ: ''الإيمان باليوم الآخر''(آخرت پر ایمان)۔

ارکان ایمان کتنے ہیں ؟ چھ (6) ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان۔ (۴) رسولوں پر ایمان۔ (۵) آخرت پر ایمان۔ (۶) تقدیر پر ایمان۔

ابھی میں نے کہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان کی بات ہوئی ہے اگلا درس ہو گا آخرت پر ایمان (ان شاءاللہ) تو باقی تین کہاں گئے ارکان فرشتوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اور اللہ کے رسولوں پر ایمان ؟ دیکھیں ایک جملے میں کر دیا ہے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کیا جملہ تھا؟ ابھی جو ہم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے دلائل جو ہیں جب ہم پڑھتے ہیں قرآن مجید میں یہ واضح ثبوت ہے اس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی شامل ہے، کتابوں پر ایمان بھی ہے، فرشتوں پر ایمان بھی ہے، رسولوں پر ایمان بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے قرآن مجید میں ؛ جب ہم پڑھتے ہیں قرآن مجید میں کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور کافر دیدار نہیں کریں گے، یعنی سورۃ القیامۃ کی آیات جو ابھی میں نے ذکر کی ہیں: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳﴾ (القیامۃ:22-23): قیامت کے کچھ چہرے ایسے ہوں گے بالکل پر رونق چہرے ہوں گے نضارت سے (خوبصورت، پر رونق)۔ کیوں ؟ کیونکہ ربّ کا دیدار کر رہے ہوں گے (نضرۃ اور نظر، سبحان اللہ)۔

سورۃ المطففین میں: ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵﴾: کافر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے، دیدار نہیں کریں گے کافر۔

یہ کہاں پر ہے قرآن مجید میں ؟ اللہ کا پاک کلام ہے جب ہم ایمان رکھتے ہیں اس بات پر کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے قیامت کے دن تو پھر کتاب پر ایمان ہوا کہ نہ ہوا؟!

یہ کتاب قرآن مجید میں یہ جو الفاظ ہیں یہ جو آیات ہیں وحی ہیں کس کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے وحی ؟ سیدنا جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعے سے۔ فرشتوں پر ایمان ثابت ہوا کہ نہیں ؟ (سبحان اللہ)۔

اسی طریقے سے یہ خبر کس نے دی ہے ہمیں؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے، امت کو یہ خبر پہنچائی ہے دنیا میں یہ خبر پہنچائی ہے۔ قرآن مجید وحی ہے اور مبلغ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام۔ تو رسولوں پر ایمان بھی شامل ہے کہ نہیں؟

اچھا ہم بات کر رہے ہیں کتابوں کی فرشتوں کی رسولوں کی، جبکہ بات ہو رہی ہے ایک کتاب کی ایک فرشتے کی اور ایک رسول کی تو سب پر ایمان کیسے ہو گیا؟ ایک کو جھٹلایا تو سب کو جھٹلایا۔

اگر قرآن مجید کو کوئی جھٹلا دیتا ہے، یا سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کو جھٹلا دیتا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلا دیتا ہے تو کافر ہے کہ نہیں؟ اگرچہ باقی تمام کتابوں پر ایمان ہے تمام فرشتوں پر ایمان ہے اور تمام رسولوں پر ایمان ہے سوائے ایک کے تو کافر ہے۔

تو جس نے ایمان رکھا قرآن مجید پر تو گویا کہ باقی کتابوں پر بھی ایمان رکھتا ہے کیونکہ قرآن مجید مہیمن ہے۔

سیدنا جبریل اُمین علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان رکھنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنا، یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص جو ہے یہ مومنین میں سے ہے (ان شاءاللہ) لیکن ایک کا ذکر جو ہے اس لیے کیا ہے کہ ایک ہی کافی ہے۔

تو اس اعتبار سے اب ارکان ایمان میں سے چار ہو گئے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان۔ (۴) اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان۔

اگلے درس میں (ان شاءاللہ)، میں نے مختلف کتابیں دیکھی ہیں لیکن آخرت پر ایمان جس ترتیب سے اور جس پیارے انداز میں شیخ

الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مختصر انداز میں اور بڑے مختلف طریقے سے بیان کیا ہے آپ حیران ہو جائیں گے آپ فنگر ٹپس (Fingertips) پر یاد کر سکتے ہیں۔

اور میں نے بھی سچ بات ہی کئی کتابیں پڑھی تھیں جو مجھے یاد پڑتا ہے یا جو میں نے یاد کیا ہے (الحمدللہ) جو مجھے بھی بہت فائدہ ہوا ہے کہ میں نے بھی عقیدہ واسطیۃ پڑھنے کے بعد فنگر ٹپس (Fingertips) پر یاد کر لیا تھا کہ کس پیارے انداز سے ترتیب کے ساتھ ہے "آخرت پر ایمان"۔

اور کہتے کسے ہیں آخرت پر ایمان آپ حیران ہو جائیں گے ؟ کوئی تعریف کر سکتا ہے آخرت پر ایمان کا کیا مطلب ہے ؟ مختلف تعریفات میں نے دیکھی ہیں مختلف پڑھی ہیں لیکن ایک جملہ جو ہے نا شیخ الاسلام نے کمال کر دیا ہے ایک جملے میں کیا ہے جانتے ہیں ؟! جو کچھ ہو رہا ہے، یا جو کچھ ہو گا مرنے کے بعد سے لے کر آپ کے آخری انجام تک اسے کہتے ہیں "الإيمان باليوم الآخر"۔ دیکھیں مرنے کے بعد سے لے کر آپ کے آخری انجام تک؛ چاہے جنت ہے آخری انجام، یا جنت ہے یا دوزخ ہے (سبحان اللہ) ، تو آخری انجام تک انسان کے ساتھ مخلوق کے ساتھ جو مکلف ہے اس کے ساتھ جو بھی ہو گا مرنے کے بعد سے لے کر اس کے آخری انجام تک اسے کہتے ہیں "الإيمان باليوم الآخر"، کیونکہ موت چھوٹی قیامت ہے یہاں سے آپ شروع کریں اور پھر قبر کا مرحلہ ہے، پھر دوبارہ زندہ ہونے کا مرحلہ ہے، پھر میدان محشر ہے، پھر حوض ہے، پھر حساب ہے، پھر ترازو ہے، پھر پل صراط ہے، پھر قنطرہ ہے، پھر جنت ہے، دوزخ ہے (سبحان اللہ)، شفاعت بھی بیچ میں آ گئی ہے؛ یہ ساری چیزیں جو ہیں ان کی ترتیب ہے یہ بارہ تیرہ چیزیں ہیں اِن سب پر ایمان ایک جملہ ہے "الإيمان باليوم الآخر"، تفصیل ان شاءاللہ اگلے درس میں بیان کریں گے۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظ اللہ) کے آڈیو درس (073.العقیدۃالواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio